# اسلامی ریاست میں قومی قیادت (لیڈرشپ) کے راہنما اصول۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

# GUIDING PRINCIPLES FOR LEADERSHIP IN ISLAMIC STATE IN THE LIGHT OF SEERAH OF THE HOLY PROPHET PBUH

Muhammad Irfan*

**Abstract**

This paper attempt to Define the concept and meaning of leadership in Islam and then explores the best qualities of a ture and potenatial leader in the light of seerah of the Holy Prophet Muhammad PBUH. It also brings forth the best model of leadership for present Muslim leaders through which they may be able to resolve the problems of the world.

**Keywords:** Islamic State, Leadership, Guiding Principles, Prophetic Teachings

**تعارف**

اسلام دین فطرت اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر رخ اور موڑ پر اپنے ماننے والوں کی راہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے پورا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب تکمیل دین کا اعلان کیا تو انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں بنی نوع انسان کے لیے مکمل راہنمائی کا سامان فراہم نہ کیا گیا ہو۔ سیاست بھی انسانی معاشرے کا ایک نہایت اہم شعبہ ہے جس کا مفہوم ہے: قوم کی اجتماعی قیادت کرنا، ان کے لیے نظام حکومت قائم کرنا، اس نظام حکومت کو شریعت مطہرہ کے اصولوں کے مطابق اچھے طریقے سے چلانا اور اجتماعی معاملات میں قوم کی راہنمائی کرنا۔

نبی کریم ﷺ پوری امت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں لیکن جن افراد کی تربیت آپ ﷺ کی صحبت میں پایہ تکمیل تک پہنچی ان میں سے آپ ﷺ کی زندگی میں ایسی نابغہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد نہایت مشکل اور نازک حالات میں امت مسلمہ کی بہترین قیادت کی اور ان کی بدولت اسلامی ریاست کو وہ ترقی نصیب ہوئی جس پر آج بھی مسلمہ امۃ فخر کرتی ہے۔

* Lecturer, Bacha Khan Medical College, Mardan.

انسانی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی خوشحالی اور کامیابی کے لیے ایک اچھی قیادت کا ہونا از حد ضروری ہے۔ تین چار افراد کے ایک معمولی کنبے سے لے کے ملک و قوم کی سطح تک پر امن، خوشحال اور ترقی یافتہ زندگی کا راز اچھی قیادت میں مضمر ہے۔ ذیل کی سطور میں قیادت کے مفہوم، صفات اور قومی قیادت کے لیے راہنما اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔

## (1) قیادت کا مفہوم

قیادت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اصل مادہ "ق۔و۔د" ہے۔ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

القَوْدُ: نَقِيضُ السَّوْق، يَقُودُ الدابَّةَ مِنْ أَمامِها ويَسُوقُها مِنْ خَلْفِها، فالقَوْدُ مِنْ أَمام والسَّوْقُ مِنْ خَلْف. قُدْتُ الْفَرَسَ وَغَيْرَهَ أَقُودهُ قَوْداً ومَقادَةً وقَيْدُودة، وَقَادَ البعيرَ واقْتادَه: مَعْنَاهُ جَرَّه خَلْفَهُ... والقِيادَةُ مَصْدَرُ القائِدِ. وكُلُّ شيءٍ مِنْ جَبَلٍ أَو مُسَنَّاةٍ كَانَ مُسْتَطِيلًا عَلَى وَجْهِ الأَرض، فَهُوَ قائدٌ[1]

"قود" سوق کی ضد ہے۔ جانور کو آگے سے لے جانے کو قود کہتے ہیں جب کہ پیچھے سے ہنکانے کو سوق کہتے ہیں۔ قیادۃ مصدر ہے قائد کا۔ زمین پر پھیلے ہوئے پہاڑ یا کسی بھی چیز کی اونچائی کو قائد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

قیادت سے مراد وہ قدرتِ تاثیر ہے جو معاشرے کے دوسرے افراد میں مؤثر ہو۔ یہ تاثیر کسی فرد میں ان صفات کو لازم قرار دیتی ہیں جن کی مدد سے ایک شخص نہایت مہارت اور تجربہ کاری سے اپنے معاشرے کے دوسرے افراد کے نظریات اور افعال پر مؤثر انداز میں حاوی ہو سکے اور اس شخص کو قائد کہا جاتا ہے۔[2]

اصطلاحی طور پر قیادت (Leadership) کی متعدد تعریفات کی گئی ہے۔ مشہور امریکی مصنف "James MacGregor Burns" کے مطابق لیڈرشپ کی ایک سو تیس سے زائد تعریفات کی گئی ہیں۔ جن میں سے چند اہم تعریفات درج ذیل ہیں:

"عرفت القيادة بأنها القدرة على التأثير في الآخرين من أجل تحقيق الأهداف المشتركة"[3]

"مشترکہ اہداف کے حصول کے لیے معاشرے کے دوسرے افراد پر اثر انداز ہونے کی قدرت کو قیادت کہتے ہیں"۔

مشہور مغربی مفکر اورڈوے ٹیڈ (1891-1973) Ordway Tead نے قیادت کو یوں بیان کیا ہے:

"Leadership is that combination of qualities by the possession of which one is able to get something done by others، chiefly because through his influence they become willing to do it."[4]

"قیادت ان صفات کے مجموعے کا نام ہے جن کے ذریعے ایک فرد معاشرے کے دوسرے افراد پر بآسانی اثر انداز ہو کر ان سے کام لینے پر قادر ہو سکے"۔

ایک اور مشہور مغربی مفکر "P.G Northouse" کے نزدیک قیادت کی تعریف یہ ہے:

"Leadership is a process whereby an individual influence a group of individuals to achieve a common goal."[5]

"قیادت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک شخص افراد کے ایک مجموعے پر اثر انداز ہو کر ان کے ذریعے ایک مشترکہ ہدف کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

**اسلام میں قیادت کا مفہوم**

اسلام اور مغربی قیادت کے مفہوم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلام کی رو سے کامیابی کا تصور صرف اس دنیا تک محدود نہیں، بلکہ حقیقی فوز و فلاح آخرت کے دن کامیابی و کامرانی سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے اسلام میں قیادت کے تصور اور قائد کی صفات میں ان چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جن سے نہ صرف دنیا کی عارضی کامیابی اور ترقی ممکن ہو سکے بلکہ اخروی اور دائمی کامیابی بھی حاصل ہو سکے۔

اسلام میں قیادت سے مراد وہ طرز عمل ہے جو کہ ایک قائد اور رہنما اسلام کی رو سے جائز اہداف کو حاصل کرنے کے لیے اپنے رعایا کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے اختیار کرتا ہے۔ تاکہ رعایا اس کے احکامات کو بجالاتے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات اور اولو الأمر کی اطاعت پر گامزن ہو سکیں۔ ڈاکٹر سالم بن سعید القحطانی نے قیادت کے اسلامی تصور کو یوں بیان کیا ہے:

"إنها تعنى سلوك شاغل المنصب القيادى عند تفاعله مع رعيته"[6]

"قیادت سے مراد وہ سلوک اور برتاؤ ہے جو منصب قیادت پر فائز افراد اپنی رعیت کے ساتھ مختلف معاملات کرتے ہوئے اختیار کرتے ہیں۔"

اسلام میں قومی سطح پر "قیادت" کے لیے "خلافت" اور "قائد" کے لیے "خلیفہ" کی اصطلاحات مستعمل ہیں۔ اس کا مادہ خلف ہے جس کے معنی "پچھلی جانب" یا "بعد میں آنے والی نسل" کے ہیں۔ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں: "اَلخَلَفُ ضِدُ قُدَامِ "خلف آگے اور سامنے کی ضد ہے۔[7]

خلافت کے معنی نیابت یا قائم مقام بننے کے ہیں۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: "فلاں شخص فلاں کا خلیفہ بن گیا ہے یعنی اس کی طرف سے کام کرنے کا ذمہ دار ہو گیا، خواہ اس کے ساتھ ہو، یا اس کے بعد۔ خلافت کسی دوسرے کی نیابت کرنا ہے منوب عنہ کے غائب ہونے کی وجہ سے یا اس کی موت کی وجہ سے یا اس کے کمزور اور عاجز ہونے کی وجہ سے یا اس شخص کو بزرگی اور شرافت عطا کرنے کے لیے جسے خلیفہ اور نائب بنایا گیا، اسی آخری وجہ یعنی خلیفہ کو شرافت عطا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔"[8]

اسلامی سیاست کے مشہور مفکر امام ابوالحسن ماوردی (متوفی: 450ھ) خلافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَلْإِمَامَةُ مَوْضُوعَةٌ لِخِلَافَةِ النُّبُوَّةِ فِي حِرَاسَةِ الدِّينِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا"[9]

"امامت (اسلامی حکومت) نبی کی نیابت کے لئے بنائی جاتی ہے تاکہ دین اسلام کی حفاظت کرے اور دنیاوی امور کا نظم و نسق چلائے۔"

ایک تصور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ خلیفہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا نائب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو دنیا میں قائم رکھ سکے لیکن یہ بات درست نہیں۔ چنانچہ امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ کے نزدیک خلیفہ کو "خلیفۃ اللہ" کہنا جائز نہیں، بلکہ ایک شخص نے جب خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر مخاطب کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹوک دیا: "لَسْتُ بِخَلِيفَةِ اللَّهِ، وَلَكِنِّي خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو "یا خلیفۃ رسول اللہ" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔[10]

فقہاء امت نے "خلافت" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ خلیفہ اسے کہتے ہیں جو امت کے سیاسی اور اجتماعی امور سر انجام دے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ "نیابتًا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی خلیفہ کی یہ حیثیت جناب نبی اکرمؐ کے نائب کے طور پر ہو گی۔

**سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں قیادت کی اہمیت اور ضرورت**

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارہ ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک قیادت اور امارت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ آپ نے جب بھی کسی مہم کا آغاز کیا تو سب سے پہلے اس کے لیے ایک قائد کا اہتمام فرمایا۔ حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا خرجَ ثلاثةٌ فی سفرٍ فلیؤمِّروا أحدھم"[11]

"جب تین آدمی کسی سفر پر نکلیں تو ان میں سے ایک کو امیر (قائد) مقرر کر لیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین آدمیوں کے ایک نہایت چھوٹے اجتماع کے لیے بھی امیر کے تقرر اور اس کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ"[12]

"جب تم کسی ایک امیر کی قیادت میں متفق ہوں اور کوئی شخص تمہاری اس جماعت کو توڑنا چاہے تو ایسے شخص کو قتل کر دو۔"

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں ان کے لیے کسی ایک شخص پر مجتمع ہونا اور اس کو امیر یا قائد مقرر کرنا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ ابن خلدونؒ کے نزدیک صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع سے مسلمانوں کے لیے کسی ایک شخص کو امام (قائد) مقرر کرنا واجب ہے۔[13]

اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے امیر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:"

"اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ"[14]

"تم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر کسی حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا گیا ہو اور اس کا سر خشک انگور کی طرح (بدصورت) ہو۔"

اگرچہ قائد یا امیر کی یہ اطاعت اس طرح غیر مشروط نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت غیر مشروط ہے بلکہ یہ قرآن و سنت کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ اولو الأمر کی جانب سے جو حکم آئے اگر وہ قرآن کی نصوص قطعیہ میں سے کسی سے نہ ٹکرائے اور احادیث رسول ﷺ سے بھی متضاد نہ ہو تو وہ منشاء اسلام کے مطابق ہے، اس پر عمل کرنا واجب اور اس کی اتباع لازم ہے۔ بصورت دیگر جب وہ قرآن کی کسی آیت سے یا حدیث نبوی کے ساتھ متصادم ہو تو وہ واجب العمل اور لائق اتباع نہیں۔ اس کا انکار غلطی ہے نہ بغاوت۔ آپ ﷺ نے اس اصول کو نہایت وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرمایا: ”خالق کی نافرمانی میں کوئی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت تو صرف اچھے کاموں میں ہے۔"[15]

**(2) قیادت کے بنیادی عناصر**

قیادت کے معنی و مفہوم پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قیادت کے تین بنیادی عناصر ہیں جن میں کسی ایک کی غیر موجودگی بھی قیادت کو غیر مؤثر بنا دیتی ہے۔

**۱- افراد کی ایک جماعت کا موجود ہونا:** قیادت کے وجود کے لیے سب سے اہم اور ضروری عنصر افراد کی ایک جماعت کا موجود ہونا ہے تاکہ قائد ان کے تعاون سے مشترکہ اہداف کے حصول کو ممکن بنا سکے۔

**۲- مؤثر افراد کا موجود ہونا:** قیادت کے وجود کے لیے قوم کے مابین کم از کم ایک یا ایک سے زیادہ مؤثر افراد کا موجود ہونا دوسرا بنیادی عنصر ہے۔ تاکہ ان مؤثر افراد میں سے قومی قیادت کے اہل افراد کو منتخب کیا جا سکے۔

**۳۔ مشترک اہداف کا موجود ہونا: قیادت** کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا بنیادی عنصر یہ ہے کہ کسی بھی قوم اور ان کی قیادت کے مابین چند مشترکہ اہداف موجود ہوں تاکہ ان اہداف کے حصول کے لیے سب اجتماعی طور پر کوشش کریں۔

**(3) مسلم ریاست میں قومی سطح کی قیادت کی اہم خصوصیات**

کسی بھی مسلم ریاست میں قومی سطح کی قیادت کے لیے اسلام، عقل، بلوغ اور آزاد مرد جیسے اہم اور بنیادی شرائط کے ساتھ ساتھ بعض دیگر صفات کا حامل ہونا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان میں بعض صفات کا تعلق قائد کی ذاتی اور شخصی اہلیت سے ہیں جب کہ بعض صفات کا تعلق اجتماعی اور معاشرتی اہلیت سے۔ ذیل کی سطور میں ان میں سے اہم اہم صفات ملاحظہ کیجیے:

**ا۔ مسلمان ہونا اور اسلامی عقائد کا فہم اور التزام**

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور اس کے بغیر ہر قسم کی خوبی ہیچ ہے۔ ایک مسلم ریاست کی قومی قیادت کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی کریم ﷺ کی رسالت اوراسلام کی دیگر ارکان پر غیر متزلزل ایمان لانا اولین شرط ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست کا سربراہ نہیں ہو سکتا، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَن يَجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً[16]

"اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہر گز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔"

اس آیت میں جس غلبہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست کا سربراہ بن جائے۔ اسی طرح قرآن کریم کی کئی آیات میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے جو اس بات پر بطریق اولیٰ دلالت کرتی ہیں کہ کوئی غیر مسلم شخص کسی اسلامی ریاست کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔

غزوہ بدر کے موقع پر "حرۃ الوبرۃ" کے مقام پر ایک مشرک جو اپنی بہادری اور جوانمردی کی وجہ سے بہت مشہور تھا، نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور مسلمانوں کے لشکر میں ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو واپس کر دیا اور فرمایا: ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے۔[17]
یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ جب جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے لیے کسی مشرک اور غیر مسلم کا تعاون حاصل کرنا درست نہیں تو امن کی حالت میں کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔ ابن منذرؒ فرماتے ہیں:

"إنَّه قد "أجمع كلُّ مَن يُحفَظ عنه مِن أهل العلم أنَّ الكافر لا ولايةَ له على المسلم بِحال۔"[18]

"تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم کے لیے مسلمانوں پر کسی بھی صورت میں ولایت اور حکومت جائز نہیں۔"

لہذا ایک مسلمان ریاست کے قائد اور حکمران کے لیے نہ صرف مسلمان ہونا ضروری ہے بلکہ اسلامی ریاست کے قائدین کے لیے اسلامی عقائد کا فہم وادراک اور ان عقائد پر قائم ودائم رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔

### ۲۔ علوم شریعت میں مہارت اور اجتہادی صلاحیتوں کا مالک ہونا۔

مسلم ریاست کی قیادت کے لیے ایمان باللہ کے بعد سب سے اہم صفت اور خصوصیت علوم شریعت سے گہری وابستگی اور آگاہی ہے۔ قرآن کریم میں اولو الأمر قیادت کے لیے استنباط اور اجتہادی بصیرت کا حامل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ [19]

"اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس خبر کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔"

حضرت یوسفؑ نے جب مصر کی وزارت خزانہ کا مطالبہ کیا تو اس موقع پر اپنی دو صفات کا بطور خاص ذکر کیا، فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ [20]

"مجھے ملک کے خزانوں پر نگران مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولو الأمر کے لیے قرآن و سنت پر مکمل عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ استنباط اور اجتہاد کی صلاحیتوں سے متصف ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ کیونکہ حالات و واقعات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایسے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں جن کا براہ راست جواب قرآن کریم یا سنت رسول ﷺ میں موجود نہیں ہوتا اور قرآن و سنت سے استنباط اور اجتہاد کے ذریعے ہی ایسے مسائل کا حل معلوم کیا جا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ کو یمن کی جانب روانہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تم کیسے فیصلہ کروں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: "کہ اللہ کی کتاب کے ذریعے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں وہ بات نہ ملے تو پھر؟ معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے ذریعے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر؟ اس پھر حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ میں اپنی

فہم کے مطابق اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق عنایت فرمائی"۔ [21]

اسلامی سیاست کے مشہور مفکر علامہ ماوردی نے اہل خلافت کے لیے جن سات شرائط کا ذکر کیا ہے، اس میں دوسرے نمبر پر علم کی شرط ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الْعِلْمُ الْمُؤَدِّی إِلَی الاجْتِهَادِ فِي النَّوَازِلِ وَالْأَحْكَامِ" [22]

" خلیفہ کے لیے ایسا علم شرط ہے جس کی بدولت وہ مختلف حوادث اور احکام میں اجتہاد کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔"

امام شاطبیؒ اور امام الحرمین الجوینیؒ نے اس بات پر علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ امامت کبریٰ یا سربراہ مملکت کے لیے ایسا شخص ہی منتخب کیا جاسکتا ہے جو علم میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔ [23]

چنانچہ ان دلائل کی روشنی میں جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مسلمانوں کے حکمران اور خلیفہ کے لیے ایک عالم سے بڑھ کر مجتہد ہونا از حد ضروری ہے تاکہ شریعت اسلامی کے نفاذ اور اسلامی عقائد و افکار میں مختلف شبہات پیدا کرنے والے لوگوں کو فوری جواب دے سکے اور قرآن و سنت کی نصوص سے مسائل کا استنباط کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

### ۳۔ عصری علوم اور مصالح عامہ کے تقاضوں سے آگاہ ہونا:

قومی سطح کی قیادت کے لیے جہاں علوم شریعت سے گہری واقفیت از حد ضروری ہے وہاں اپنے زمانے کی مناسبت سے بعض اہم علوم پر دسترس اور مصالح عامہ کے تقاضوں سے باخبر ہونا بھی نہایت اہم ہے۔ خصوصاً علمِ سیاست، ملکی اور بین الاقوامی قوانین کا علم، تجارت و معیشت اور مختلف اقوام واوطان کی ثقافت اور تاریخ پر گہری نظر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ موجودہ دور میں ان علوم کے ساتھ ساتھ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، کمپیوٹر، انٹرنٹ اور اس نوع کی دیگر علوم سے کسی حد تک واقفیت بھی لازمی قرار دی جاسکتی ہے۔

قیادت کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کی بھی ہوسکتی ہے اور بڑی سے بڑی جماعت کی بھی۔ جس شعبہ کی قیادت بھی سپرد کی جائے اس میں قائد کو ماہر و تام ہونا چاہیے یا کم از کم اس کی مبادیات اور اساسیات سے واقفیت ہو۔

### ۴۔ عدل وانصاف

عدل کے یہ مختصر الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جس قدر عام ہیں اپنی عملی ضرورت کے لحاظ سے اسی قدر اہم اور خاص بھی ہیں۔ اس کے عام معانی تو انصاف کرنے کے ہیں لیکن بنیادی طور پر عدل ایک ایسا وصف ہے جس کا اظہار زندگی کے ہر پہلو میں ہونا چاہیے۔

ایک قائد اور رہنما کے لیے عدالت کی صفت سے موصوف ہونا ایک بنیادی اور لازمی شرط ہے۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے سیرت و کردار، اقوال وافعال، انفرادی و اجتماعی معاملات اور عادات و اطوار میں نہایت معتدل اور مثالی کردار کا حامل ہو۔ اس کی پوری زندگی اعتدال کی لڑی میں ایسی پروئی ہوئی ہو کہ کسی جگہ عدم توازن کی شکایت نہ ہو۔ زندگی کے ہر حصے کو اس کا پورا پورا حق مل رہا ہو تو ایسا عدل وانصاف لائق تحسین اور ہر کسی کے لئے قابل تسلیم ہوتا ہے۔

ایک قائد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فریق کے ساتھ ظلم وزیادتی کا مرتکب ہو یا کسی بھی طریقے سے مجرموں کی پشت پناہی کرنے والا ہو۔ قومی قیادت اور حکمرانوں کا ایک اہم وظیفہ یہ ہے کہ وہ مظلوم طبقات کو ظالموں کی شرور سے نجات دلائیں اور ظلم وزیادتی کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا دیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت بھی وہ عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ[24]

"اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔"

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے:

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ[25]

"اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں، تو ابراہیمؑ نے کہا کہ میرے اَولاد میں سے بھی، فرمایا بے شک میرا وعدہ ظالم لوگوں تک نہیں پہنچ پائے گا۔"

مشہور حنفی فقیہ ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں: اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فاسق شخص کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔[26] حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ظالم شخص امامت کبریٰ (یعنی خلافت) کا حقدار نہیں ہو سکتا۔[27]

امور سلطنت بجالانے میں عدالت اور انصاف کی اس قدر اہمیت کے پیش نظر امام شافعیؒ سمیت اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ خلیفہ یا حکمران نے ظلم وزیادتی سے کام لیا ہے اور کسی معاملے میں انصاف کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھا ہے تو ایسا حکمران خود بخود معزول ہو جائے گا اگرچہ امت اس کو معزول نہ بھی کرے۔[28]

**۵۔ امانت ودیانت کی صفات کا حامل ہونا**

امانت ایک اعلیٰ ترین وصف اور خوبی ہے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے کافی وسعت کی حامل ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ مسلم امہ کو امانت ودیانت کا درس دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[29]

"بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کر دو"

عدالت کے ساتھ ساتھ ایک قائد اور رہنما کو امانت ودیانت کی صفات سے بھی موصوف ہونا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ ان صفات میں ایک قائد کو مثالی کردار کا حامل ہونا چاہیے۔ ایک قوم کے رعایا اپنے قائد اور رہنما کی باتوں سے زیادہ اس کے کردار اور عمل پر نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ عربی زبان کا مقولہ ہے: "اِن الناس تسمع باعینھا قبل اَن تسمع بآذانھا" ترجمہ: لوگ آپ کو کانوں سے پہلے آنکھوں کے ذریعے سنتے ہیں۔ ہزار تقریروں اور خطبات کا وہ اثر نہیں ہوتا جو ایک عمل اور اچھے کردار کا ہوتا ہے۔ ایک صادق اور امین قائد اپنے قول وعمل اور سیرت وکردار کے ذریعے اپنے قوم کو صداقت وامانت کی صفات کا عملی درس دیتا ہے اور خائن کردار کے حامل لوگوں کے لیے وہ ایک بڑی روکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مزدور اور اجیر کے لیے بھی امانت ودیانت کو لازم قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت شعیب اور موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ میں مذکور ہے: إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ[30]۔

"بے شک، بہترین نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی۔"

اسی طرح حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کے بارے میں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ انہوں نے جب اپنی قوم کو دعوت دی تو صفت امانت کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ [31]

"میں تمہارے لیے (اللہ کی جانب سے) ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب تخت بلقیس لانے کے لیے کا ارادہ کیا تو ایک جن نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی اہلیت کا ثبوت دیا: وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ [32]۔

"اور بے شک میں اس کام پر قادر ہوں اور امانت دار ہوں۔"

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ اگر معمولی درجے کی ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے امانت و دیانت اس قدر ضروری ہے تو اُمور سلطنت جیسی اہم ذمہ داریوں کو نبھانے والے افراد میں امانت و دیانت کا معیار کتنا بلند ہونا چاہیے۔

**٦۔ شجاعت، خود اعتمادی، انتظامی اہلیت اور اُمور سیاست میں تجربہ کاری:**

قومی ریاست کے سربراہان اور قائدین کے لیے شجاعت، بہادری، قوت فیصلہ، خود اعتمادی اور انتظامی اور سیاسی امور کا وسیع علم اور تجربہ بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے، تاکہ وہ وقتاً فوقتاً پیش آنے والے واقعات اور حادثات میں بروقت اور درست فیصلہ کرنے اور فوری اقدامات کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ جرائم پیشہ افراد کے خلاف بروقت کارروائی کرنے اور شرعی حدود اور سزاؤں کے اجراء میں کمزور نہ دکھائیں۔

سیرت نبوی ﷺ پر روشنی ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مختلف عاملین اور امراء کی تقرری کرتے وقت ان افراد کی ان پوشیدہ صلاحیتوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ مجھے کسی جگہ عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "یا أبا ذر إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزي وندامة، إلا من أخذها بحقها وأدى الذي عليه فيها" [33]

"اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو، اور یہ ایک بڑی امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کا سبب ہے، سوائے اس کے جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا"

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر سے فرمایا: "يَا أَبَا ذَرٍّ ، إِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي ، وَإِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا ، فَلَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ ، وَلَا تَلِيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ"[34]

"میں تجھے ضعیف وناتواں خیال کرتاہوں اور میں تیرے لئے وہی پسند کرتاہوں جو اپنے لئے پسند کرتاہوں، پس تم کبھی دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ مال یتیم کا والی بننا"۔

خود نبی کریم ﷺ جس طرح دیگر صفات میں امت کے لیے ایک مثالی کردار کے حامل تھے اسی طرح آپ ﷺ شجاعت اور بہادری میں بھی امت مسلمہ کے لیے بہترین نمونہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین، سخی اور بہادر تھے۔ ایک رات مدینے کے لوگوں نے ایک خوفناک آواز سنی اور خوفزدہ ہوئے۔ سب لوگ اس آواز کی طرف چل دیئے، نبی کریم ﷺ سب سے آگے جارہے تھے اور فرماتے جاتے تھے؛ تم لوگ مت ڈرو، تم لوگ مت ڈرو، آپ ﷺ حضرت اَبو طلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار تھے اور آپ کی گردن میں تلوار لٹکی ہوئی تھی۔[35]

اسی طرح ایک قائد کو اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور سیاسی امور میں تجربہ کاری اور مہارت کے ساتھ ساتھ بھرپور اعتماد کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ ریاست میں قومی قیادت کی مثال ایک عظیم الشان عمارت کے ستون کی سی ہے۔ جس طرح ستون کے بغیر عمارت یا تو کھڑی نہیں ہوسکتی یا اگر کھڑی ہو جائے تو ناپائیدار رہتی ہے اور ہر لمحہ یہ خدشہ برقرار رہتا ہے کہ کہیں یہ عمارت زمین بوس ہو کر اپنے زیر سایہ بسنے والوں کی زندگی کا خاتمہ نہ کر بیٹھے۔ اس کے برعکس اگر عمارت کے ستون پختہ اور مضبوط ہوں تو ایسے خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح اعتماد کی صفت قیادت کی خصوصیات میں سے نہایت اساسی اور اہم نوعیت کی صفت ہے۔ ایک قائد کا خود پر اعتماد جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر وہ اپنی آراء اور فیصلوں میں صائب ہوگا، اس کے برعکس بد اعتمادی اور عدم یقین کی کیفیت تو قیادت کا بہت بڑا نقص شمار کی جاتی ہے اور ایسا قائد مشکل صورتحال میں قوم کی صحیح راہنمائی نہیں کرسکتا۔

### ۷۔ صحت وتندرستی اور اَعضاء وجوارح کی سلامتی:

علم وعمل اور اخلاق وکردار کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کسی انسان کے اَعضاء وجوارح کا سلامت ہونا اور جسمانی لحاظ سے مختلف عیوب اور بیماریوں سے پاک ہونا بھی ایک بہت بڑی نعمتِ خداوندی ہے۔ قومی قیادت کے لیے ان صفات کا حامل ہونا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ امور سلطنت بجالانے میں کسی کمزوری

اور سستی کا عمل دخل ممکن نہ ہو۔ علامہ ماوردیؒ نے خلیفہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ اس کے حواس خمسہ بالخصوص سماعت، بصارت اور زبان سلامت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر جسمانی اعضاء بھی کسی بڑے نقص سے پاک ہوں۔[36]

قرآن کریم میں حضرت طالوت کی حکمرانی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دو اہم وجوہات ترجیح کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

قَالَ اِنَّ اللہ اصْطَفٰہ عَلَیْکُمْ وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ[37]

"اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے"۔

چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ ایک قائد اور حکمران کے لیے علم کے ساتھ ساتھ جسمانی قوت بھی ضروری ہے تاکہ علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے اس کا اور اس کی قوم کا حوصلہ بلند ہو اور دشمنوں کے مقابلے میں خود کو کمزور محسوس نہ کریں۔ فقہائے کرام نے اس اعتبار سے جسمانی اعذار کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:

(ا): ایسا جسمانی عذر یا نقص جس کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کی رائے اور عمل میں کوئی کمی نہیں آتی اور وہ دیکھنے میں بھی برا محسوس نہ ہو۔ ایسا جسمانی عذر منصب خلافت کے لیے ابتداءً یا بقاءً کسی بھی طرح منافی نہیں، کیونکہ ان اعذار کے ہوتے ہوئے بھی خلیفہ امور سیاست کو بخوبی انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ اس میں قیادت کے لیے دیگر ضروری صفات موجود ہوں۔

(ب): ایسا عذر یا نقص جو ابتداءً اور بقاءً دونوں صورتوں میں منصب قیادت کے منافی ہے کیونکہ یہ اعذار انسانی اعمال و افعال کی راہ میں روکاوٹ بنتے ہیں، جیسے دونوں ہاتھوں یا پیروں کا نہ ہونا۔ ظاہر ہے ایسے اعذار کی موجودگی منصب خلافت کے لیے ابتداء بھی مانع ہے اور اگر دوران خلافت ایسے اعذار کا وقوع ہو جائے تو بھی ایسے شخص کو منصب خلافت سے معزول کیا جائے گا۔

(ج): ایسے اعذار یا نقصان جو کلی طور پر کسی عمل کی ادائیگی میں روکاوٹ نہیں بنتے لیکن بعض اعمال کی ادائیگی اور سرعت عمل میں کسی حد تک روکاوٹ ضرور پیدا کرتے ہیں جیسے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کا نہ ہونا۔ ایسے اعذار کے بارے میں بھی فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ ابتداءً یہ منصب خلافت کے منافی ہے اور ایسے کسی شخص کو قائد یا خلیفہ نہیں مقرر کیا جانا چاہیے۔ لیکن منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد اگر یہ اعذار واقع ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء کے نزدیک یہ اعذار استدامت خلافت (خلافت کو برقرار رکھنے) کے بھی منافی ہیں جب کہ بعض فقہاء کے نزدیک نہیں۔

(د): ایسے اعذار جو بقاءِ خلافت کے منافی نہیں، لیکن ابتداءً ایسے شخص کو منصب قیادت پر فائز کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جیسے کسی ایسے عیب کا ہونا جو دیکھنے میں برا لگے لیکن کسی عمل کو بجالانے میں اس سے کوئی نقص پیدا نہ ہو۔ بعض فقہاء کرام نے ان اعذار کو بھی منصب خلافت کے منافی قرار دیا ہے جب کہ بعض کے نزدیک چونکہ یہ اعذار کسی رائے یا عمل میں کمی کا باعث نہیں بنتے لہذا یہ منصب خلافت کے منافی بھی نہیں۔[38]

**۸۔ منصب قیادت کی حرص اور خواہش نہ کرنا**

سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن افراد میں منصب قیادت و امارت کو حاصل کرنے کی حرص اور خواہش موجود ہو اور بغیر کسی شرعی مصلحت کے وہ ان کا مطالبہ کرے تو ایسے افراد کو بھی یہ منصب نہیں دینا چاہیے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ رضی اللہ کو فرمایا:

"يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا."[39]

"اے ابو عبدالرحمن، کبھی امارت کو طلب نہ کرنا، اگر یہ تجھے بن مانگے دے دیا جائے تو تم اسی کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر بغیر خواہش کے حاصل ہوئی تو اللہ کی طرف تمھاری مدد کی جائے گی"۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور میری قوم کے دو اور آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان میں ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، مجھے کسی جگہ امیر مقرر کر دیں، اور دوسرے نے بھی اسی طرح خواہش کا اظہار کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم کسی ایسے آدمی کو امیر مقرر نہیں کرتے جو اس کی خواہش کرتے ہیں اور اس پر حریص ہوں۔[40]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت سے متعلق ارشاد فرمایا:

"إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ القِيَامَةِ، فَنِعْمَ المُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الفَاطِمَةُ"[41]

"بے شک تم لوگ امارت کی حرص کروگے اور قیامت کے دن تمہیں اس کی وجہ سے ندامت اور شرمندگی ہوگی۔(پس یہ امارت ایک انا کی طرح ہے کہ)دودھ پلاتے وقت تومزہ اور دودھ چھٹتے وقت تکلیف"

اس حدیث میں ایک عمدہ مثال کے ذریعے امارت کی برائی کو بیان کیا گیا ہے یعنی جب حکومت ملتی ہے تو بڑا لطف آتا ہے لیکن جب یہ چھن جاتی ہے تو اس کا شدید رنج ہوتا ہے اور قیامت کے دن، اس پر جو ندامت و شرمندگی ہوگی تو اس وقت کے عذاب کی شدت کا اندازہ ہی مشکل ہے۔

ان احادیث کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلافت و امارت ایک امانت ہے اور یہ امانت اسی شخص کے سپرد کی جائے جو اس کا طلبگار نہ ہو، اور نہ ہی اس کے دل میں امارت وقیادت حاصل کرنے کی خواہش اور حرص موجود ہوں۔ لیکن اگر کوئی آدمی اس خواہش کا اظہار کسی شرعی مصلحت کی بنا پر کرے، مثلاً اس سے زیادہ اہل آدمی موجود نہ ہو یا کسی اور آدمی کو یہ منصب دینے کی صورت میں کسی بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں امارت و خلافت کو طلب کرنا یا اس کی خواہش کا اظہار کرنا ممنوع نہیں ہوگا۔ جیسے حضرت یوسفؑ نے خود اس کا مطالبہ کیا تھا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ، مجھے ایسی سلطنت بخش دیں جو میری بعد کسی کو نہ ملے۔[42]

### ۹۔ تقویٰ اور پرہیز گاری:

تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اوامر و طاعات کی بجا آوری اور محرمات و مکروہات سے حد درجہ اجتناب کرنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی صفت ہے جو ہر مسلمان کے لیے محبوب اور مطلوب ہے لیکن اسلامی ریاست کی قیادت کے لیے خود کو تقویٰ کی صفت سے مزین کرنا اور اس میں مثالی کردار کا حامل ہونا نہایت ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی مہم یا لشکر کے لیے امیر کا انتخاب فرماتے تو اس کو خاص طور پر تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔[43]

اللہ کی یاد اور تقویٰ کی بدولت ایک قائد اور رہنماء اپنے دوست دشمن اور رعایا سب کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لینے اور ظلم وبربریت سے باز رہتا ہے اور ہر معاملے میں اعتدال برقرار رکھتا ہے۔

### ۱۰۔ حسن اخلاق

امام راغب اصفہانی کے بقول خلق کا لفظ ان قوتوں اور خصلتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا بصیرت کے ساتھ ادراک کیا جاسکتا ہے۔[44]

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خُلق ایک نفسانی ملکہ ہے اور جو شخص اس سے متصف ہو اس کے لیے اچھے کاموں کا اکتساب سہل اور آسان بنا دیتا ہے۔ بخل، غضب، معاملات میں تشدد کرنا، قول اور فعل میں لوگوں کے ساتھ تکبر کرنا، ترک تعلق کرنا، خرید و فروخت میں تساہل کرنا، رشتہ داروں کے حقوق سے تغافل کرنا وغیرہ ان تمام چیزوں سے احتراز کرنا حسن خلق میں داخل ہے۔[45]

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی مدح کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ"[46]

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں''۔

نبی کریم کے فرمان کے مطابق روز قیامت حسن خلق سے زیادہ کوئی بھاری چیز میزان عدل میں نہیں ہوگی۔ عمدہ اخلاق اور نفیس عادات واطوار انبیاء کرام علیہم السلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ تو حسن اخلاق کا پیکر و مجسم تھے۔ چنانچہ نبوت سے قبل بھی آپ ﷺ کی جس خوبی نے اہل مکہ کو آپ کا گرویدہ بنادیا تھا وہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ ہی تھے۔ جس کا اظہار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ابتدائے وحی کا واقعہ سننے کے بعد ان الفاظ میں کیا:

" كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ،

وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ "[47]

"ہرگز نہیں، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بے شک تم صلہ رحمی کرنے والے ہو،

لوگوں کا بوجھ اٹھانے والے ہو، ناداروں کو دینے والے ہو، مہمان کا اکرام کرنے والے ہو اور

حق کی راہ میں آنے والی مشکلات پر مدد کرنے والے ہو۔"

حسن اخلاق کی بدولت ایک قائد اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے دل کو بھی موم کرلیتا ہے چنانچہ نبی کریم کے حسن اخلاق کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے بڑے سے بڑے مخالف اور دشمنان اسلام بھی آہستہ آہستہ بغاوت و سرکشی کا خول اتار کر اطاعت و فرمان برداری کا قلادہ اپنے گلے کی زینت بنالیتے تھے۔ معاشرے کے پسے ہوئے لوگوں کو کسی مسیحا کی تلاش ہوتی ہے تا کہ ان کی مسیحائی ہو سکے بااخلاق قائد کی قیادت میں ان کے چہرے کھل اٹھتے ہیں۔ ان کی عروق مردہ میں جان آجاتی ہے اور ہمت ہارے ہوئے لوگ بھی نئے عزم و ہمت کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

## مسلم قیادت کے لیے رہنما اصول

قومی قیادت کے لیے مذکورہ بالا شرائط اور صفات کے بعد اب ذیل کی سطور میں ان رہنما اصولوں کو زیب قرطاس کیا جاتا ہے جن کا خیال رکھنا اسلامی ریاست کے قائدین اور مختلف اہم انتظامی عہدوں پر فائز لوگوں کے بہت اہم ہے۔

### ا۔ محرمات سے دوری اور مواضع تہمت سے اجتناب:

قومی قیادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کی حدود کا خاص خیال رکھیں۔ اپنے کردار کو اس قدر پاک صاف رکھیں کہ وہ رعایا کے ایک مثالی نمونہ بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ کاموں سے کوسوں دور رہیں بلکہ ان جگہوں سے بھی دور رہیں جہاں ان کی شخصیت اور کردار پر لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ."[48]

"بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو کسی دوسرے کی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے، تو قریب ہے کہ جانور اس چراگاہ میں سے بھی چر لیں۔ خبر دار رہو ہر بادشاہ کے لئے چراگاہ کی حد ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں"۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَ التُّهَمِ اتُّهِمَ"[49]

"جو شخص تہمت کی جگہوں پر چلتا ہے لوگ اس پر تہمتیں لگائیں گے"۔

چونکہ قومی قیادت تمام عوام الناس کی نظروں میں ہوتے ہیں اور رعایا کے لیے ان کی حیثت ایک ماڈل اور نمونے کہ طرح ہوتی ہے اس لیے قومی سطح کی قیادت کے لیے مواضع تہمت سے بچنا نہایت ضروری ہے تاکہ لوگ ان کی کردار پر انگلیاں نہ اٹھا سکیں اور قوم کا اجتماعی وقار مجروح نہ ہو۔

## ۲۔مشاورت سے ملکی اور قومی امور چلانا:

اسلام میں شوریٰ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جن کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے براہ راست وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل تھی اور آپ ﷺ کسی معاملے میں دوسروں سے مشورہ لینے کے محتاج نہیں تھے لیکن چونکہ شورائی نظام اسلامی ریاست میں اُمور مملکت کے لیے بہت ضروری تھا اس لیے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم میں حکم دیا گیا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [50]

"پس ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت چاہو اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔"

نبی کریم ﷺ ان تمام دینی اور دنیوی امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے جن کے بارے میں کوئی نص موجو نہیں ہوتی تھی۔ ان میں جنگی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ہر قسم کے معاملات داخل ہیں نیز بعض مواقع پر اپنے خاص صحابہ کرام کے ساتھ خانگی اُمور کے متعلق بھی مشاورت فرمایا کرتے تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا یہ حکم محض رسمی اور ظاہرداری کے لیے نہیں تھا تا کہ اس کے ذریعے صحابہ کرام کی عزت افزائی ہو بلکہ اس لیے تھا کہ مشورہ لینے کے بعد ان مشوروں پر عمل بھی کیا جائے۔ جیسا کہ مشہور حنفی فقیہ ابو بکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں اس کی تصریح کی ہے۔[51]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتے رہنے والا کبھی کسی شخص کو نہیں پایا۔[52]

حضرت ابوہریرہ جو سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے ان کی اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہؓ سے مشورہ لینے کا کتنا اہتمام فرماتے تھے۔

دور نبوی ﷺ کے بعد جب خلافت راشدہ کا دور آیا تو آپ ﷺ کے خلفاء نے بھی اسی اصول پر نظام خلافت کی بنیاد رکھی جس میں خلیفہ کے انتخاب میں بھی جمہور مسلمانوں سے مشاورت کی گئی اور اُمور خلافت کے فرائض کی انجام دہی میں بھی شوریٰ کو ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں کے مشورہ عام سے خلیفہ بنے اور خلیفہ بننے کے بعد انھوں نے تمام معاملات کا فیصلہ، جن کے بارے میں ان کو کتاب و سنت میں کوئی ہدایت نہیں ملی، ان لوگوں کے مشورے سے کیا جو جمہور مسلمین کے معتمد لیڈر تھے اور علم و دیانت کے لحاظ سے لوگوں میں بہتر خیال کیے جاتے تھے۔

### ۳۔ مختلف عہدوں اور مناصب پر اہل لوگوں کا تقرر

قومی قیادت کے لیے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ وہ امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے مختلف انتظامی اور عوامی عہدوں پر ان لوگوں کا تقرر کریں جن میں مذکوہ بالا صفات پائی جاتی ہوں اور جس عہدہ کے لیے ان کا تقرر کیا جارہاہو اس کے لیے موجودہ افراد میں وہ سب سے زیادہ معتمد اور اہل شخص ہوں۔ قومی مناصب کی تفویض میں اقرباءپروری اور بلاوجہ بعض کو فوقیت دینا جائز نہیں، بلکہ نااہل افراد کو مناصب دینے سے امور سلطنت کی انجام دہی میں سستی اور کاہلی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور عوام الناس اپنے قائدین کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوتے ہیں۔

دور نبوی میں چوں کہ یمن اور حجاز کے علاقے اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ ان علاقوں میں والی مقرر کرتے ہوئے ان کے تقویٰ، علم ودانش، عقل وعمل اور فہم کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ امراء کے انتخاب میں حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی کا ایک اہم جزء یہ تھا کہ جو لوگ والی بننے کی درخواست کرتے، ان کی درخواست رد کر دیتے۔ افسروں کے انتخاب کے سلسلے میں آپ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی قرآن پاک کی اس آیت کی تعبیر تھی:

اِنَّ اَللہ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِہ[53]

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں''۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. "[54]

"جب امانت کو ضائع کر دیا جائے تو تو قیامت کا انتظار کرو۔ صحابیؓ نے پوچھا: امانت کو کس طرح ضائع کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حکومت نااہل کے حوالے کر دی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو"

اسی طرح ان لوگوں کو بھی مناصب سے دور رکھا جائے جو اس کی خواہش رکھتے ہوں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔

### ۴- دین اسلام کی حفاظت اور شریعت الٰہی کا نفاذ

اسلامی ریاست میں قومی قیادت (اولوالأمر) کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطاکردہ دین اسلام کی حفاظت کریں اور اللہ کی زمین پر اللہ کی دی ہوئی شریعت اور احکام و قوانین نافذ کریں۔ خود بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں اور رعایا سے بھی ان کی اطاعت کرائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ [55]

"(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں تو وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

مندرجہ بالا آیت اسلامی ریاست کے خصوصی اہداف بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست میں نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام اجتماعی بنیادوں پر ہو اور معاشرے میں بھلائی کے فروغ اور برائی کے استیصال کے اقدامات کیے جائیں۔ اسی وجہ سے اولو الأمر کی اطاعت کو بھی قرآن کریم میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی طرح لازم قرار دیا گیا، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [56]

"اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے اولوالأمر کی"

قومی قیادت کو اللہ تعالیٰ نے یہ اتنا عظیم الشأن منصب اس لیے دیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو عملی شکل دینے اور ان کو نافذ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس لیے ان کے ضروری ہے کہ دین اسلام کی حفاظت کے لیے ضروری اقدامات کریں اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنائیں اور رعایا سے بھی اسی کا مطالبہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قائدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہوں، قرآن کریم اور احکام شریعت سے واقف ہوں اور اسلامی احکام و شرائع کے پابند ہوں اور اپنے ذاتی رجحانات کی پیروی کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی شریعت کو لازم پکڑیں۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان خلافت کے بعد فرمایا تھا:

"أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ "[57]

"تم لوگ اس وقت تک میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو اس وقت تم پر میری کوئی اطاعت لازم نہیں۔"

**۵۔ اقامت حدود اور نظام تعزیرات کا نفاذ**

اسلام کے نظام قانون کا ایک حصہ نظامِ حدود اور تعزیرات (Islamic Penal System) ہے۔ فقہ اسلامی میں سزا کے تعین اور عدم تعین کے لحاظ سے جرائم کی تین اقسام ہیں:

**حدود:** حد شرعی سے مراد وہ جرائم ہیں جن کی سزا متعین ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً چور اور قذف کی سزا۔ نیز جرم ثابت ہونے کی صورت مجرم پر حدود کا نفاذ واجب اور ناگزیر ہے۔ نہ تو مجرم کی توبہ سے حد کی سزا معاف ہو سکتی ہے اور نہ حکومت یا کوئی عدالت اس کی سزا کو معاف یا کم کر سکتی ہے۔

**جنایات:** جنایات سے مراد قصاص و دیت کے مسائل ہیں۔ قصاص کو حدود میں شامل نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بندے کا حق ہے۔ مقتول کے ورثاء چاہیں تو قاتل کو معاف کر دیں یا دیت لے کر بھی اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

**تعزیرات:** تعزیرات سے مراد شریعت کے وہ ممنوعات ہیں جن نے منع تو کیا گیا ہے مگر اس کی سزا حاکم اور قاضی کے صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔

لہٰذا معاشرے میں امن و امان بر قرار رکھنے اور شہریوں کی جان و مال کی تحفظ کے لیے ان سزاؤں کا نفاذ اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ آج بعض نام نہاد سکالر اسلامی تعزیرات کے نظام کو دقیانوسی اور چودہ سو سال پرانا قرار دے کے ناقابل عمل قرار دیتی ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ معاشرے میں امن وامان بر قرار رکھنے کے لیے حدود و تعزیرات کا یہ نظام از حد ناگزیر ہے اور مجرمانہ کارروائیوں میں ملوث افراد کو کھلی چھوٹ دے کر کبھی بھی عدل وانصاف قائم نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قصاص کو حیات قرار دیا ہے:

وَلَكُم فِي القِصاصِ حَيوةٌ يأُولِي الأَلبابِ لَعَلَّكُم تَتَّقونَ[58]

"اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص لینے میں زندگی ہے تاکہ تم (اس قانون کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز کرو"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إقامة حد من حدود الله خير من مطر أربعين ليلة في بلاد الله"[59]

"اسلامی مملکت میں ایک حد قائم کرنا چالیس رات کی باران رحمت سے (برکت اور منفعت میں) بہتر ہے۔"

لہذا جرم کی سنگینی کے لحاظ سے شریعت نے مختلف سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں سزا کا خوف پیدا ہو اور وہ پھر جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ کریں۔ اور عبرت کا مفہوم یہ ہے کہ سزا برسرعام دی جائے۔ تاکہ عوام الناس اس سے عبرت حاصل کریں اور آئندہ ان جرائم سے پرہیز کریں۔ حدود نافذ ہونے سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ امن و امان قائم ہوتا ہے۔ ہر ایک کی جان، مال، عزت، وآبرو محفوظ ہوتی ہے۔ آپس میں محبت ہمدردی اخوت بڑھتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مالی خوشحالی اور افزائش رزق ہوتی ہے۔ زمین اپنے خزانے اگلتی ہے۔ تو آسمان سے باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَو أَنَّهُم أَقامُوا التَّورىٰةَ وَالإِنجيلَ وَما أُنزِلَ إِلَيهِم مِن رَبِّهِم لَأَكَلوا مِن فَوقِهِم وَمِن تَحتِ أَرجُلِهِم[60]

"کاش انھوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان پر رب کی طرف سے نازل کی گئیں تھیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے رزق برستا اور پاؤں کے نیچے سے اُبلتا"

**۶۔ شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرنا:**

اسلامی ریاست کے قائدین کی اہم ترین ذمہ داری ریاست میں رہنے والے تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ ہے۔ انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام و قار اور مساوات پر مبنی ہے۔ دین اسلام کا ظہور دنیا میں امتیاز اور تسلط کی نفی سے شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانوں کے حقوق کو پورا کرنے اور معاشرے میں عدل وانصاف کی فضا قائم کرنے کے لیے کوششیں کیں۔ اسلام نے ہی سب سے پہلے عورتوں، بچوں، معذوروں، قیدیوں، مزدوروں اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے حقوق متعین کیے۔

نبی کریم ﷺ کا آج سے چودہ سو سال قبل میدان عرفات میں دیے جانے والے خطبہ حجتہ الوداع آج بھی انسانی حقوق کے حوالے سے مستند ترین اور قدیم ترین دستاویز سمجھا جاتا ہے جس کی بنیاد حقوق العباد پر رکھی

گئی ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں مذہبی راہنماؤں کو اسلام کا حقیقی تشخص اجاگر کرتے ہوئے عوام میں انسانی حقوق کے تحفظ کا شعور بیدار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

### ۷۔ غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال اور دیگر بنیادی حقوق کا تحفظ:

اسلامی ریاست میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانا اسلامی ریاست کا سربراہ کی ذمہ داری ہے۔ جان کے تحفظ میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں، دونوں کی جان کا یکساں تحفظ و احترام کیا جائے گا۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کی جان کا تحفظ کرے اور انھیں ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا، جب کہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔[61]

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

> "میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے عہد کو وفا کیا جائے، ان کی حفاظت و دفاع میں جنگ کی جائے، اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے"۔[62]

جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ذمیوں کی عزت و آبرو کا تحفظ بھی کیا جانا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست کسی غیر مسلم شہری کی توہین اور ذلیل کی بھی اجازت نہیں دے سکتا۔ بلکہ ذمیوں کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا، ان کی ذاتی زندگیوں کے بارے کھوج لگانا، تجسس کرنا، پردہ دری کرنا اسی طرح حرام اور ناجائز ہے جس طرح ایک مسلمان کے حق میں۔ اسی طرح ذمیوں کو اعتقادات و عبادات اور مذہبی مراسم و شعائر میں مکمل آزادی حاصل ہوگی، ان کے اعتقاد اور مذہبی معاملات سے تعرض نہیں کیا جائے گا، ان کے کنائس، گرجوں، مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں صاف صاف اعلان ہے:

"لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"[63]

"دین کے معاملے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے"۔

امصار المسلمین (یعنی مسلمانوں کی آبادی کی ہوئی شہروں) کے علاوہ دیگر شہروں میں ذمیوں کو صلیب نکالنے، ناقوس بجانے اور مذہبی جلوس نکالنے کی آزادی ہوگی اور اگر ان کی عبادت گاہیں ٹوٹ پھوٹ جائیں، تو ان کی مرمت اور ان کی جگہوں پر نئی عبادت گاہیں بھی تعمیر کرسکتے ہیں۔

ذمیوں کے حقوق سے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا، یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا۔"[64]

**۸۔ معاشرے کے کمزور طبقات کا خصوصی خیال رکھنا**

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہاں تمام شہریوں بالخصوص بچوں، بوڑھوں، یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا بندوبست کرے اور بیت المال کے محاصل سے حتی الامکان ان کی حاجات پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح غیر مسلم ذمیوں کی ضروریات اور حاجات کو پورا کرنے کے لیے معاشی وظائف کا نظام قائم کیا جائے۔

**۹۔ دور اندیشی اور صبر**

کسی بھی لیڈر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دور اندیش اور ویژنری (Visioary) صلاحیتوں کا مالک ہو، تاکہ وہ معاملات کی گہرائی تک جا کر فیصلہ کر سکے۔ اہم نوعیت کے معاملات طے کرنے میں دوررس نتائج اور پائیدار فوائد کو پیش نظر رکھے۔ وقتی طور پر ہونے والے نقصان کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا کر سکے اور رعایا کی جانب سے ہونے والے جذباتی نوعیت کے سوالات اور اعتراضات کا صبر و تحمل کے ساتھ سامنا کر سکے۔

نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر اسلامی ریاست کے قائدین کو مختلف سفارتی اور انتظامی معاملات کی انجام دہی میں نہایت دور اندیشی اور صبر و تحمل سے کام لینے کا درس دیا ہے۔ سن 6 ھجری میں جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کی معیت میں عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا۔ قریش مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا اور جنگ کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن آپ ﷺ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر انہیں صلح پر آمادہ کیا اور کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروق اعظم اس طرح کی صلح سے ناراض نظر آرہے تھے لیکن نبی کریم کی نگاہ رسالت نے اس کے دوررس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے صلح کو بہتر سمجھا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے صرف دو سال بعد مسلمان فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے۔

**حوالہ جات**

---

[1] لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار صادر بیروت، طبع ثالث 1414ھ، 3/370

[2] السلوک التنظیمی (مدخل بناء المھارات) احمد ماہر۔ الدار الجامعیۃ، طبع: الاسکندریۃ، ص304

[3] ارکان القیادۃ، دکتور یوسف بن عثمان الخریم، دالسلام للنشر والتوزیع، ریاض سعودی عرب۔ ص24

[4] Ordway Tead "The Nature and Use of Creative Leadership". In: Bulletin of the Taylor Society. Vol 12, Nr.3. p. 394

[5] Leadership: Theory and Parctice by PG Northouse, 2013, p.5

[6] القیادۃ الاداریۃ، دکتور سالم القحطانی۔ طبع اول، ریاض 2001، ص

[7] لسان العرب، ابن منظور محمد بن مکرم۔ 9/82

[8] مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، ص155، اسلامی ریاست، گوہر الرحمن، ص109

[9] الأحکام السلطانیۃ۔ أبو الحسن علي بن محمد الماوردی۔ دار الحدیث، القاھرۃ۔ ص:15

[10] ایضاً، ص:39

[11] سنن ابی داؤد۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی۔ باب فی القوم یسافرون، 4/249

[12] صحیح مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری۔ باب حکم من فرق امر المسلمین، 2/1480

[13] الاحکام السلطانیہ للفراء، ابویعلیٰ بن الحسین الفراء۔ مکتبہ مصطفی الحلبی، طبع ثانیہ، 1966ء، ص19

[14] صحیح بخاری۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری۔ باب امامۃ العبد والمولیٰ، 1/140، حدیث نمبر: 693

[15] صحیح بخاری۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری۔ کتاب الاحکام، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق۔ 9/88

[16] النساء4:141

[17] صحیح مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، باب کراھۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر، 3/1449

[18] أحکام أھل الذِمّۃ، ابن القیم، محمد بن أبي بکر بن أیوب، 2/787، رمادی للنشر۔ دمام، طبع اول1997ء

[19] النساء4:83

[20] یوسف12:55

[21] سنن الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی۔ باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، 3/9، حدیث نمبر: 1327

[22] الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیۃ، ص19

[23] الاعتصام، ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، مطبع دار ابن عفان، السعودیہ۔ ص40

[24] المائدۃ، 5:8

[25] البقرۃ2:124

[26] احکام القرآن، أحمد بن علي أبو بکر الرازي الجصاص، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ 1/85

[27] جامع البیان في تأویل القرآن، ابو جعفر محمد بن یزید طبری، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع1420ھ۔ 2/11

[28] فقہ الخلافۃ وتطورھا، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ ص91

[29]النساء58:4

[30]القصص،26:28

[31]الشعراء،107:26،125،143،162،178

[32]النمل،39:27

[33]مسلم، باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ،3/1457، ابوداؤد

[34]شرح مشکل الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع1415ھ، 1/45

[35]بخاری، باب حسن الخلق السخاء،8/13، حدیث نمبر:6033

[36]الأحکام السلطانیۃ۔ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، دارالحدیث قاہرہ مصر،19

[37] البقرۃ،247:2

[38]الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیۃ، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی۔ ص80

[39] صحیح البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، باب من لم یسال الامارۃ،9/63، حدیث نمبر:6622

[40]ایضا، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ،9/63، حدیث نمبر:7149، صحیح مسلم، باب النھی عن طلب الامارۃ،3/456

[41] صحیح البخاری، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ،9/63، حدیث نمبر:7148

[42]الإمامۃ العظمی عند أھل السنۃ والجماعۃ، عبداللہ بن عمر بن سلیمان، دار طیبہ للنشر والتوزیع، طبع1408ھ، ص263

[43] صحیح مسلم، ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الجھاد والسیر،3/1357 حدیث نمبر:1731

[44]المفردات في غریب القرآن، راغب اصفہانی۔ دارالقلم، دمشق بیروت۔ ص158

[45]تفسیر کبیر، أبو عبداللہ محمد بن عمر الرازی۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ 8/186

[46]القلم4:68

[47] جامع البخاری، باب کیف کان بدء الوحی،1/7، حدیث نمبر:3

[48] صحیح مسلم، باب اخذ الحلال وترک الشبھات،3/1219، حدیث نمبر:1599

[49]مکارم الأخلاق ومعالیھا ومحمود طرائقھا، أبو بکر محمد بن جعفر الخرائطي، دار الآفاق العربیۃ، القاھرۃ، طبع اول1419ھ، ص161، یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:" مَنْ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ التُّهْمَةِ؛ فَلَا يَلُومَنَّ مَنْ أَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ۔"

[50]آل عمران،159:3

[51]احکام القرآن۔ ابو بکر جصاص، طبع مصر1378ھ،2/49۔

[52]مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، مطبع موسسۃ الرسالۃ،1419ھ،31/244

[53]النساء58:4

[54]بخاری، باب من سئل علما وھو مشتغل فی حدیثہ، باب رفع الامانۃ،1/21،8/104 حدیث نمبر:59/6496

[55]الحج،41:22

[56]النساء،59:4

[57]السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، عبد الملک بن ھشام، باب خطبۃ ابی بکر، مطبعۃ مصطفی البابی 1375ھ، 661/2

[58]البقرۃ،97:2

[59]سنن النسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب۔ باب قطع السارق، 76/8، حدیث نمبر:4905، سنن ابن ماجہ، اعبد اللہ محمد بن یزید القزوینی۔ باب اقامۃ الحدود، 575/3، حدیث نمبر:2537

[60]المائدہ،66:5

[61] صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب اثم من قتل معاہداً بغیر جرم، 448/1

[62]حضرت عمر کے سیاسی نظریئے، ابو یحییٰ امام خان، مطبوعہ گوشۂ ادب چوک انار کلی لاہور، ص93

[63]البقرۃ،256:2

[64]سنن ابو داؤد، باب فی الذمی یسلم فی بعض السنۃ، أعلیہ جزیۃٌ، 658/4، حدیث نمبر:3052